نئی حسیّت اور نئے لب ولہجہ کی شاعرہ

سیدہ نسرین نقاش

ڈاکٹر محمد یونس ٹھوکر

ورڈز ورتھ نے شاعری کی ماہیئت کے تعلق سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ شاعری دراصل قوی احساسات کا بے ساختہ بہاؤ ہے۔ یعنی شاعر شب و روز جن خیالات، جذبات اور احساسات و کیفیات سے گزرتا ہے وہ ان میں سے حسین اور لطیف جذبات کا انتخاب کر کے دلکشی اور سحر انگیزی کے ساتھ الفاظ کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ ادیب معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے۔ مردوں کے مقابلے میں عموماً خواتین فطری طور پر زیادہ حساس، جذباتی اور رقیق القلب ہوتی ہیں۔ لہذا مرد ادیبوں کے شانہ بہ شانہ خواتین شعرا اور ادبا نے بھی انسانی جذبات کے والہانہ اظہار کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ایک طویل عرصے تک خواتین ادباء اور شعرا کو مرد اساس معاشرے میں ادب سے بہت دور رکھا گیا۔ شعر و ادب خواتین کے لیے

شجر ممنوعہ سے کم نہ تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایک طویل عرصے تک خواتین اپنے احساسات کو سپردِ قلم کرنے سے قاصر رہیں۔ مرد حاوی معاشرے میں طبقہ اناث کی تخلیقی صلاحیتوں سے ہمیشہ صرف نظر کیا گیا۔ خواتین کو پنے مافی الضمیر کو پیش کرنے کے مواقع بہت کم میسر آئے ہیں۔ شاید یہ شعر اسی قدغن اور پہرہ دری کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

اتنا بولوں گی تو کیا سوچیں گے لوگ
رسم یہاں کی ہے کہ لڑکی سی لے اپنے ہونٹ

برصغیر کی خواتین ایک عرصے تک اظہار و ابلاغ کی سطح پر ایک طرح کے خوف اور وسوسے سے دوچار رہیں۔ آخر کار پتھر پسیجا لوہا پگلا اور خواتین ادباء اور شعرا مختلف سیاسی و سماجی تحریکوں اور تعلیمی پالیسیوں کی وجہ سے بیداری سے ہمکنار ہوئیں اور وہ سامنے آکر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا ہنرمندانہ اظہار کرنے لگیں۔

سرزمین کشمیر، جسے درویشوں اور عارفوں کی سرزمین کہا جاتا ہے، میں بھی خواتین اسی صورت حال کا شکار رہیں۔ لیکن چند خواتین نے مذکورہ بالا مرد اساس معاشرے میں رہ کر بھی اپنے لیے ایک الگ راہ نکالی۔ ایسی خواتین میں ایک شاعرہ بڑی خاموش اور دبی آواز میں وہ مرد اساس معاشرے کے جبر واستحصال کا احتجاج کرکے آگے بڑھی اور اپنی دنیا آپ پیدا کردی۔ ایک ایسے زمانے میں جب کہ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا بھی معیوب تصور کیا جاتا تھا وہ اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند ہوکر برسرروزگار ہوئیں۔ جی ہاں! میری مراد سرزمین جموں وکشمیر کی معروف شاعرہ سیدہ نسرین نقاش سے ہے، جو اپنی ہمت، محنت، لگن، مشقت اور بلند حوصلے اور عزم سے ایک منفرد نام بھر کر اردو کے شعری افق پر ابھر کر سامنے آئیں۔

دبستانِ کشمیر میں سیدہ نسرین نقاش کی ادبی حیثیت مسلم ہے۔ان کا شعری مجموعہ ''دشتِ تنہائی'' کے نام سے شائع ہوکر داد وتحسین حاصل کر چکا ہے۔اس ایک مجموعے نے موصوفہ کو ادب کے میدان میں ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید کر دیا۔اس مجموعے کی قدر و قیمت اور ادبی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اردو ادب کے جید اور موقر ناقدین نے اس پر اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا ہے، جنھیں موصوفہ نے اس شعری مجموعہ کی ابتدا میں مختلف عناوین کے تحت شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے ''اپنی آواز کی دریافت''، رفعت سروش نے ''دشتِ تنہائی کی شاعرہ''، ڈاکٹر محمد ایوب تاباں نے ''مستقبل کے امکانات''، ڈاکٹر حامدی کاشمیری نے ''سیدہ نسرین نقاش''، ڈاکٹر سیفی پریمی نے ''دشتِ تنہائی کے جلوے'' اور قتیل شفائی نے ''تازہ ہوا کا جھونکا'' کے عنوان کے تحت اس شعری مجموعے کے بارے میں اپنے ناقدانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔سیدہ نسرین نقاش کے حوالے سے سبھی ناقدین کے یہاں مشترکہ رائے کا اظہار ملتا ہے وہ یہ کہ نسرین نقاش وادی کشمیر کی ایک حساس، باشعور اور تخلیقی صلاحیتوں سے بہرہ مند شاعرہ ہیں۔

نسرین نقاش کے شعری مجموعے ''دشتِ تنہائی'' کا مطالعہ کر کے ادب کا کوئی بھی باذوق قاری اس سے مرعوب اور محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کے یہاں غزلوں میں میرؔ جیسی سادگی اور روانی ہے۔ان کی اکثر غزلیں چھوٹی بحروں میں ملتی ہیں۔

ایک حساس شاعر کسی مخصوص قوم یا ملک کا شاعر نہیں ہوتا بلکہ وہ جغرافیائی حدود کو پھلانگ کر پوری انسانیت کا شاعر اور ترجمان بن جاتا ہے۔اس کا سینہ انسانیت کے درد وغم سے لبریز ہوتا ہے۔نسرین نقاش بھی ایک حساس شاعر ہونے کے ناطے ملکی تفریق سے آزاد نظر آتی ہیں۔وہ مختلف اقوام وملتوں کے درمیان منافرت کو

دیکھ کر مایوس ہوتی نظر آتی ہیں۔

نسرین نقاش کے یہاں ترقی پسند عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کی نظریں بہ غور مشاہدہ کرتی ہیں کہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں محنت کش عوام اور مزدور طبقے کا استحصال ہو رہا ہے۔ انہیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ کس طرح پسماندہ طبقہ اپنا خون پسینہ ایک کرنے کے باوجود بھوک اور افلاس کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے جس کا اظہار ان کی شاعری میں جا بجا ملتا ہے۔

فاقوں کے شعلہ زاروں میں جلتا ہے آج بھی
محنت کے تازیانوں سے اُدھڑا ہوا بدن
نسریؔن اب بھی دیتا ہے انصاف کو صدا
محلوں میں مفلسوں کا لٹتا ہوا بدن

مذکورہ بالا اشعار پر اگر غور کیا جائے تو ان میں فیض، مخدوم محی الدین، مجاز، فراقؔ اور جوشؔ جیسے مارکسی نظریات کے حامل شعراء کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جس کی عکاسی کسی زمانے میں شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی اپنی معروف نظم ''لینن خدا کے حضور میں'' میں لینن کی زبانی کچھ اس طرح کی ہے:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہے بہت تلخ بندۂ مزدوروں کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تیری منتظر اے روز مکافات

ہم عصر شعرا میں نسرین نقاش کی آواز بالکل مختلف اور جاندار ہے لیکن اس کے باوجود وہ ادبی حلقوں میں آج تک اتنی گمنام سی کیوں رہی ہیں؟ شاید اس کی

واحد وجہ یہ ہے کہ وہ سستی شہرت اور خودنمائی کو پسند نہیں کرا تیں۔ خود انہی کی زبان میں:

نسرین تیرے شعر بہت خوب ہیں لیکن
تجھ سے بھی بڑے شہر میں فنکار بہت ہیں

ان کی اس کسرنفسی اور اعلیٰ ظرفی کی طرف خلیق انجم نے بھی اپنے ایک مضمون بعنوان ''اپنی آواز کی دریافت'' میں ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے:

''ان کے کلام کے مطالعے کے دوران مجھے افسوس ہوا کہ اتنی اچھی شاعرہ کے کلام سے میں اب تک کیوں محروم رہا۔ میں شروع میں ہی عرض کردوں کہ نسرین کا شمار نئی حسیت اور نئے لب ولہجہ کے اچھے شاعروں میں ہے۔ اگر ان کا نام ادب کے افق پر ابھی تک نہیں چمکا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے شہرت حاصل کرنے کے لیے ماس میڈیا کے سستے ذرائع استعمال نہیں کیے۔''

یہی بلند خیالی شاعر کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ وقت کے تیز دھارے کے ساتھ بہہ جانے کے بجائے اپنے افکار ونظریات کی مدد سے اپنی ایک الگ دنیا تعمیر کرتا ہے۔ سیدہ نسرین نقاش 'تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی' کے مصداق کسی بڑے شاعر کو آئیڈیل بنا کر اس کے رنگ میں رنگنے کے بجائے خود اپنا ایک الگ اور منفرد رنگ سامنے لانے پر یقین رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی آواز میں ایک الگ قسم کی دلکشی اور جاذبیت ہے۔

تو خدا کب تھا کہ میں ڈھونڈ ہی لیتی تجھ کو
جانے والے تو مجھے اپنا پتہ بھی دیتا
تیری نسرین نے جب اپنا گلا گھونٹا تھا

تو اگر مجھ میں کہیں تھا تو صدا دیتا

تنہائی اور جدائی کا کرب ان کی شاعری میں بار بار اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''دشت تنہائی'' اس حوالے سے ایک اسم با مسمیٰ عنوان ہے۔ دیکھا جائے تو تنہائی جدیدیت کا ایک بڑا موضوع رہا ہے۔ انسانوں کی اس بھری بھیڑ میں رہ کر بھی جدید انسان خود کو تنہا اور بے گانہ محسوس کرتا ہے۔ اس اعتبار سے اگر انہیں جدید شعرا کی صف میں کھڑا کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کے یہاں تنہائی محض لفظ گری تک محدود نہیں بلکہ اپنے وسیع تر تجربات اور تخلیقیت کی غماز ہے جیسے کہ ڈاکٹر خلیق انجم نے ان کے کلام پر تبصرہ بعنوان ''اپنی آواز کی دریافت'' میں لکھا ہے:

> ''اس شاعرہ کے یہاں 'تنہائی' بے سبب نہیں، فیشن زدگی کے طور پر نہیں۔ یہ بلکہ تجربات کی آنچ میں تپی ہوئی ہے، تنہائیوں اور یادوں کے قافلے سیدہ نسرین نقاش کے کلام کے بنیادی عناصر ہیں، تجربات واحساسات کی شدت نے ان کے اشعار کو جلا بخشی ہے اور انہوں نے بعض نئی نئی اور شگفتہ زمینوں نکالی ہیں، جو انکی تخلیقیت کی غماز ہے۔''

ان کے یہاں تنہائی اور جدائی کا غم روح فرسائی کے تجربے سے کسی طرح کم نہیں۔ محبوب سے بچھڑنے کے بعد ان کی زندگی میں ایک عجیب قسم کا انتشار اور بکھراؤ آجاتا ہے۔ وہ خوابوں کی دنیا برباد ہونے پر نوحہ کناں ہیں:

جاتے جاتے اس کا مڑ کر دیکھنا
دے گیا اِک درد کا رشتہ مجھے
کھو گیا نسرینؔ خوابوں کا جہاں

لوٹ کر جانا ہے اب تنہا مجھے
یہ کس مقام پہ چھوڑا ہے ناخدا نے مجھے
جہاں نہ بحر، نہ طوفاں، نہ کوئی ساحل ہے

پسند کیوں تجھے تنہائیاں ہیں اے نسرینؔ
زمانہ پوچھے تو کوئی جواب مت دینا

ہندوستانی عورت کوعموماً سیتا سے متصف کیا جاتا ہے۔ سیتا دراصل وفاداری، وفاشعاری اورشوہر پرستی کی علامت ہے۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ عورت فطرتاً بےوفانہیں ہوتی ہے اور جوعورت بےوفا ہوتی ہے وہ فطرتاً عورت نہیں ہوتی ہے۔ مشرقی عورتوں پر یہ مفروضہ قدرے زیادہ صادق نظر آتا ہے۔ مشرقی عورت کا خاصا ہے کہ وہ اپنے محبوب کی بے وفائی اور بے اعتنائی کے باوجود آخری کوشش تک اس کا دامن تھامے رکھتی ہے۔ نسرین صاحبہ کی غزلوں میں اس طرح کا تجربہ بالکل واضح دکھائی دیتا ہے:

جو دوستی کا مخالف وفا کا قاتل ہے
وہ شخص اب بھی مری زندگی کا حاصل ہے
وہ میری جان کا دشمن ہے اور دل میں ہی
کہ جیسے زہر میں آبِ حیات شامل ہے
وہ کیوں سمجھے لگا حرفِ مدعا میرا
کہ جس کا طرزِ عمل غیریت کا حامل ہے

نسرین کی غزلوں میں گلے،شکوے اوراحساس محرومی ایک غالب موضوع

کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ رات کی رانی کی طرح اپنے محبوب کے گرد لپٹی ہیں۔ لیکن اچانک سے ملنے والا داغِ مفارقت ان کے لیے ایک عذاب بن جاتا ہے۔ انہیں زندگی میں محبوب کی پرچھائیوں کے سوا کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ وہ قیس بن کر صحرا صحرا اسے ڈھونڈنا چاہتی ہیں جبکہ اُسے معلوم ہے وہ اُسے دائمی جدائی دے گیا ہے:

وہ تو سایہ تھا خدا جانے کہاں چھوٹ گیا
ڈھونڈتی پھرتی ہوں اس کو کہ دوانی ہوں میں

گذری ہے ہم پہ جو بھی تمہیں اس سے کیا غرض
تم نے تو ساتھ چھوڑ دیا تم سے کیا کہیں

وہ محبوب کے سامنے اپنا حال دل اظہار کرنا بے معنی اور فضول سمجھتی ہیں۔ کیوں کہ انہیں لگتا ہے کہ ایسا کرنے سے سنگ دل محبوب پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ جدائی کی پہل تو اسی کی طرف سے جو ہوئی ہے:

تم نے خط میں لکھ ہی دیا آخری سلام
اب جو ہمارا حال ہوا تم سے کیا کہیں
پہنچے تھے انجمن تمہاری مگر وہاں
اپنا کوئی وجود نہ تھا تم سے کیا کہیں

عورت کے عزت و وقار کی ایک الگ ہی اہمیت ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے ایک عورت جب مرد کی بے وفائی کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ آہ و بکا اور احتجاج کرنے کے بجائے اپنے درد اور کسک کو خاموشی سے آنسوؤں اور سرد آہوں میں ڈھال لیتی ہے۔

کہتے ہیں کہ مفاہمت زندگی کے بہت سارے غموں کی شدت کو کم کرتی ہے۔ نسرین نقاش کے شعری مجموعے ''دشتِ تنہائی'' کا جب باریک بینی سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ ان کے یہاں مفاہمت کا کوئی عنصر موجود نہیں:

میرے اشکوں میں جو روانی ہے
یہ تیرے پیار کی نشانی ہے
ظلم سہہ کر بھی کچھ نہیں کہتی
کیا عجب اپنی بے زبانی ہے
مجھ کو دیوانہ لوگ کہتے ہیں
آپ کی یہ بھی مہربانی ہے

''دشتِ تنہائی'' دراصل یادوں کا ایک البم ہے۔ یہ ان حسین یادوں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے محبوب کی رفاقتوں میں گزارے ہیں۔ اس مجموعے میں ہمیں نسرین نقاش بار بار کوچۂ ماضی گیری کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اپنے محبوب کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات ان کے لیے کسی قیمتی اثاثے سے کم نہیں ہیں۔ وہ اس انمول سرمایہ کو کسی قیمت پر بھی خود سے جدا ہوتے نہیں دیکھ سکتیں۔ ایام جدائی میں ان کا سب سے بڑا ساتھی اور ہمدرد یہی یادیں ہیں۔ انہی یادوں کے سہارے ان کا ویران اور اجڑا دل آباد ہے۔

کیا کریں اب تو تیری یادوں سے
زخم دل ہم سیا کرتے ہیں
تیری یادوں نے خیالوں کو معطر کر دیا
اور تارِ اشک پیہم سلکِ گہر کر دیا

ان کی یادیں بھی ساتھ چھوڑ نہ دیں
دل کھنڈر میں نہ بدل جائے کہیں

انسان کے اندر عشق کی اس درجہ کی شدت اور حدت موجود ہو اور پھر اس پر بے وفائی اس کا مقدر ہو تو یقیناً انسان کی زندگی گھٹن بن جاتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں عشق ایک روگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ عشق کے اس بھیانک حادثے اور تجربے سے گزرنے کے بعد انہیں احساس ہوتا ہے کہ عشق کا سمندر کتنا گہرا ہے۔ یہاں بحر اوقیانوس جیسی وسعت اور گہرائی ہے۔ یہاں قدم قدم پر بلائیں اور صعوبتیں ہیں۔ ان کی نظر میں ہجر کی گھڑیاں کاٹنا کسی آگ کے دریا کو عبور کرنے سے کم نہیں۔ وہ اس طرح کے تجربے سے گزرنے کے بعد اُسے اپنے قارئین کے ساتھ بانٹنا چاہتی ہیں ۔

محبت کرنے والوں کو بتادو
یہ دریا ہر طرف گہرا بہت ہے
وفا کے تپتے صحرا سے کسی کو
جو مل جائے تو اِک قطرہ بہت ہے
زندگی ہجر میں یوں تیرے کٹی ہے جیسے
طے کیا ڈوب کے اک آگ کا دریا ہم نے

اس محرومی اور جدائی کے بعد انتظار ہی مشرقی عورت کا ایک حوصلہ بخش سہارا ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ نسرین نقاش اپنے محبوب سے بچھڑنے کے بعد محض یادوں اور تنہائیوں کو اپنا وظیفہ جان بنانے پر اکتفا کرتی ہیں بلکہ وہ اپنے شب و روز اس انتظار اور امید پر کاٹ لیتی ہیں کہ محبوب اس ہجر کی تیرگی کو ختم کرنے کے لیے چراغ لے کر

ضرور حاضر ہو جائے گا۔ وہ اپنے محبوب سے ساتھ گزرے لمحوں کا حساب مانگتی ہیں:

تیرگی ہے شباب لیتا آ
آ کہ اِک آفتاب لیتا آ
جو تیرے ہجر میں گزری ہیں
اُن رتوں کا حساب لیتا آ
چھت میرے گھر کی آگ اگلتی ہے
تو برستے سحاب لیتا آ

اس کا محبوب سے اس طرح کے سوالات اور اس طرح کے مطالبات کرنا رسمی نہیں بلکہ اس کے پیچھے کئی وجوہات ہیں۔ انہیں اپنی وفا، محبت اور خلوص پر فخر اور ناز ہے۔ اسی لیے وہ سینہ چوڑ کر جہاں ان سے گزرے لمحوں کا حساب طلب کرتی ہیں۔ وہیں اس بات کا بھی احساس دلاتی ہیں کہ ان کی محبت کس قدر اخلاص سے مملو ہے:

کوئی آئے گا نہ مجھ سا بخدا میرے بعد
ختم ہوجائے گا دستورِ وفا میرے بعد
بعد مرنے کے کھلیں گے مرے جوہر کیا کیا
ہوگی دنیا میرے نغموں پہ فدا میرے بعد

انہوں نے زندگی کو بہت جھیلا اور سمجھا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ یہ وہ گل چیں کا عمل ہے جو خاردار جاڑیوں سے ہاتھوں کو زخمی کیے بغیر نہیں پہنچتا، ان کا نظریہ زندگی کلاسیکی شعراء کے نظریۂ زندگی ''زندگی نام ہے مرمر کے جیے جانے کا'' سے مماثل ہے۔ زندگی کے تعلق سے ان کے یہاں جو تجربات شعری پیکر میں ڈھل گئے ہیں وہ میرؔ کے تصور زندگی سے کسی قدر مماثلت

رکھتے ہیں کہ ''اسباب لٹاراہ میں یہاں ہر سفری کا'' ملاحظہ ہو چند شعر:

یہ زندگی بھی عجب رہگذر لگے ہے مجھے
کہ ہر مقام پہ لٹنے کا ڈر لگے ہے مجھے

آج ہر طرف مادیت پرستی کا دور دورہ ہے۔ جس میں محبت تجارت کی منڈی میں نیلام ہو جاتی ہے۔ انسان پیسوں کا پجاری بن گیا ہے۔ اس کے لیے رشتے، احساس، جذبات اور قدریں دولت کے مقابلے میں بے معنی اور مجہول ہیں۔ آج کی اس مادیت پرست دنیا میں حقیقی محبت اور اس کے متعلقات کا فقدان نظر آتا ہے۔ نہ وہ عشق کی تپش باقی ہے اور نہ وہ سوزِ جگر۔ نہ ہجر کی وہ تڑپ رہی اور نہ وصل کا وہ شوق رہا۔ انسان کا محبت سے مادیت کی طرف سفر اور تبادلی موصوفہ کو بہت گراں گزرتا ہے اسی لیے وہ نوحہ کناں ہیں۔

اب نہ وہ داغ نہ وہ داغِ جگر کی خوشبو
آج دنیائے محبت میں ہے زر کی خوشبو
کیا کیا بدل گئے ہیں انداز آدمی کے
پیسہ ہی اب خدا ہے پردے میں بندگی کے

موصوفہ کے شعری سرمایہ پر گہری نظر دوڑائی جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ان کے یہاں کلاسیکیت اور جدیدیت کا امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ جدیدیت کے اثرات کے تحت مختلف موضوعات سامنے آئے۔ جیسے تنہائی، خوف، بے گانگی، اجنبیت، داخلی گھٹن، تشخص کا بحران، روایتی قدروں کا زوال وغیرہ۔ شہری زندگی اور بڑھتی ہوئی صنعتی ترقی نے قدرتی وسائل پر اجارہ داری قائم کی ہے۔ ہرے بھرے کھیت اور باغات سکڑ کر فیکٹریوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس

بات کا احساس جدیدیت سے جڑے تقریباً ہر شاعر کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ جیسے کہ بشیر بدرؔ کا یہ شعر ؎

اب میں راشن کی قطاروں میں نظر آتا ہوں
کھیتوں سے بچھڑنے کا سزا پارہا ہوں

عین یہی اثرات نسرین نقاش کے یہاں بھی مرتسم ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس مادی ترقی کے منفی اثرات کا گہرا مشاہدہ رکھتی ہیں۔ انہیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ اس بڑھتی ہوئی مادی ترقی سے روحانیت کا جنازہ نکل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ارد گرد جہاں ہریالی غائب ہوگئی ہے وہیں ہمدردی اور مروت کے احساسات بھی عنقا ہو گئے ہیں:

یونہی جو آتے رہے گاؤں شہر کی زد میں
نہ کھیت ہوں گے نہ گندم کی بالیاں ہوں گی
کچھ اس طرح سے بدلا ہمارے گھر کا مزاج
ہمارے سر سے بزرگوں کی شفقتیں بھی گئیں

''دشتِ تنہائی'' میں کچھ نظمیں بھی شامل ہیں۔ جیسے صلیب، دو کنوارے ہاتھ، امن کے دیوتا، موسم موسم کہانیاں، گستاخی، جواب، جہیز، تلاش، میرا فیصلہ، شام کے سائے میں، سانحہ روزِ سیاہ وغیرہ۔ مذکورہ نظموں میں انہوں نے طبقہ نسواں کے نازک اور پیچیدہ مسائل کی بوقلمونی کرنے کی کوشش کی ہے۔ سماج و معاشرے میں ایک عورت کو جن مسائل اور مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے اس کا اظہار انہوں نے اپنی نظموں میں طنزیہ پیرائے میں کیا ہے۔ جہیز کے نام پر عورت کے ساتھ جو استحصالی رویہ روا رکھا جاتا ہے اس کی وجہ سے اس کی حیثیت سماج و معاشرے میں ایک بے گورو

کفن لاش بن کے رہ جاتی ہے۔اس حوالے سے ان کی نظم ''جہیز'' میں یہ کرب اور کسک محسوس کی جاسکتی ہے ۔

دیوار کے اس طرف
جھریوں سے مرصع دو کنوارے ہاتھ
اون کی سلائیوں میں وقت لپیٹ کر
بُنتے ہی رہے
وہ موسم جو آئے بھی نہ تھے
وہ منظر جو دیکھے بھی نہ تھے
وہ خواب سوچے بھی نہ تھے
اور مکان کی بیرونی دیوار پر مصلوب
بوڑھا سلوگن
اپنی لاش پر بین کر رہا تھا
''جہیز اک لعنت ہے''

مجموعی طور پر یہ کہنے میں کوئی بھی تامل نہیں کیا جاسکتا کہ نسرین نقاش ایک باکمال شاعرہ ہیں، جنھوں نے اپنی تخلیقی ہنرمندیوں کو بروئے کار لا کر دبستانِ کشمیر میں اپنی ایک منفرد شناخت قائم کی ہے۔شعرائے کشمیر کی اگر تاریخ مرتب کی جائے تو ان کا نام اور کام شامل کیے بغیر تاریخ نامکمل ہے۔تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ان کے یہاں حیات و کائنات کے متنوع مسائل اور زندگی کے مختلف نشیب و فراز کے تعلق سے موضوعاتی سطح پر خاصی گہرائی اور گیرائی نہیں دیکھی جاسکتی ہے۔

☆☆☆☆